چراغ زار
اختر عثمان

ربِ لامکاں کا صد شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اردو ادب کی کتب کو سافٹ میں تبدیل کر سکے۔ اسی صورت میں یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ مزید اس طرح کی عمدہ کتب حاصل کرنے کے لئے ہمارے گروپ میں شمولیت اختیار کریں۔

انتظامیہ برقی کتب

گروپ میں شمولیت کے لئے:

عبداللہ عتیق: 8848884 347 -92+

محمد ذوالقرنین حیدر: 3123050300-92+

اسکالر سدرہ طاہر صاحبہ: 0120123 334 -92+

حسنِ خوابیدہ، چُنریا، دریا
ایک ہی موج ہے دریا دریا

آسمانوں سے اترتی ہے پری
اور بھرتا ہے گگریا دریا

بیٹھے بیٹھے یونہی جی ڈوبتا ہے
میں کہاں رہتا ہوں، گھر یا دریا؟

ایک ہی بات ہے کیا نام و نشاں!
کچھ بھی کہہ لیجے بھنور یا دریا

تہِ دل میں ہے خزیدہ کیا کچھ
جانتی ہے وہ نظر یا دریا

اب کے بھی بچ گئے کہسار نشیں
لے گیا میری نگریا، دریا

شور و وحشت میں کناروں کے لیے
ایک جیسے ہیں یہ سر یا دریا

کون بیلے میں چھپے ہیں اختر!
بانسری، لہر، گڈریا، دریا

Scanned by CamScanner

اختر عثمان

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

نام کتاب	:	چراغ زار
شاعر	:	خستہ عثمان
اہتمام	:	ارشد ملک
سرورق	:	ظفر سیّد
خطاطی	:	منظر رقم / محمد مختار علی
تزئین	:	قمر الزّماں
حروف خوانی	:	رفاقت راضی
اشاعت اوّل	:	2017
انتخاب	:	رحمٰن حفیظ
مطبع	:	فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

قیمت 400 روپے

ادارہ ایسی کتب کی اشاعت کرتا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اشاعت کتب کا مقصد کسی کی دل آزاری یا ضرر رسانی نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جہت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو از راہِ کرم مطلع فرمائیں۔ انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ادارہ)

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ رکمیٹی چوک راولپنڈی Ph: 051-5551519

منظر نقوی، ناراض دوست صاجزادہ تابش کمال

اور

ڈاکٹر صلاح الدین درویش کے نام

کاریست کار بخیہ کہ تا زیست ماندہ بس

آہستہ رو، بہ سوزنی بزودن نمی شود

روغن ز خون کشید و بہ انداخت بر خسک

کاین آتش از شرار فزودن نمی شود

(اختر عثمان)

سلسلہ

تم جو کہتے ہو وہ کہنا نہیں آتا مجھ کو
ہنرِ حرفِ برہنہ نہیں آتا مجھ کو

جوں بگولا میں سرِ دشت اڑا پھرتا ہوں
قیس رہتا رہے، رہنا نہیں آتا مجھ کو

میں ہوں پایاب کہ آہستہ روی خو ہے مری
موجِ یک طَور میں بہنا نہیں آتا مجھ کو

کیا جو لکھتا ہوں سب اوروں کی تمنائیں ہیں
کیا جو کہتا ہوں وہ سہنا نہیں آتا مجھ کو؟

تمہیں زیبا ہے، مبارک ہو یہ پوشاکِ شہی
تم نے جیسے اِسے پہنا، نہیں آتا مجھ کو

پھر کہیں ڈوب گیا ماہِ دو ہفتہ اخترؔ
میں چمکتا ہوں کہ گہنا نہیں آتا مجھ کو

صبا تھپکتی رہے، خواب میں ٹہلتے جائیں
کسی کا دھیان کریں وقت سے نکلتے جائیں

عروسِ مرگ جو لحظہ دو لحظہ مہلت ہو
یہ گل مزاج ذرا پیرہن بدلتے جائیں

فلک پہ ماہِ دو ہفتہ عجب درخشاں تھا
سو جی میں آئی کہ چپ چاپ ہم بھی ڈھلتے جائیں

کہاں تک اور تہِ خاک ہوں خرامیدہ
کہاں تک اور سرِ آرزو پگھلتے جائیں

وفورِ کرب میں جانے وہ کون منزل ہو
کوئی زیاں بھی نہ ہو اور ہاتھ ملتے جائیں

جنوں میں پرتوِ ماہِ خیال ہو سرسبز
کسی سکوت، کسی چاندنی میں چلتے جائیں

شب آئے، اور لہو میں بھنور پڑیں یکدم
وہ نام دل میں رہے اور ہونٹ جلتے جائیں

عجیب شوق ہے اختر یہ اہلِ ساحل کو
وہ ایستادہ رہیں، ہم گہر اگلتے جائیں

حسنِ خوابیدہ، چُنریا، دریا
ایک ہی موج ہے دریا دریا

آسمانوں سے اترتی ہے پری
اور بھرتا ہے گگریا دریا

بیٹھے بیٹھے یونہی جی ڈوبتا ہے
میں کہاں رہتا ہوں، گھر یا دریا؟

ایک ہی بات ہے کیا نام و نشاں!
کچھ بھی کہہ لیجے بھنور یا دریا

تہِ دل میں ہے خزیدہ کیا کچھ
جانتی ہے وہ نظر یا دریا

اب کے بھی بچ گئے کہسار نشیں
لے گیا میری نگریا، دریا

شور و وحشت میں کناروں کے لیے
ایک جیسے ہیں یہ سر یا دریا

کون بیلے میں چھپے ہیں اختر!
بانسری، لہر، گڈریا، دریا

جو ایک عمر سے لب دوختہ ہیں خوش ہولیں
کلام ہو چکا اپنا اب آئنے بولیں

بلا کا شور ہے باہر، دلا! ابھی چپ رہ
ہوا کے ساتھ ہیں پتے، کواڑ کیا کھولیں

یہ ماہتاب، یہ دریا، یہ بھربھری مٹّی
تھکے ہوؤں سے کہو ایک دو پلک سو لیں

ہوائے بزمِ عزا میں شجر ہیں سینہ زناں
سو اِس بہانے گُلِ گم شدہ کا دکھ رو لیں

یہی کہ ہم سے نہیں نبھ سکی محبّت میں
زوالِ عمر ہے اب اور جھوٹ کیا بولیں

دھیان آئے تو پڑتے ہیں کہیں خوں میں بھنور سے
وہ ابرِ نگہ ایک پلک ہم پہ جو برسے

جینے کا کم از کم تھا یہ معیار کہ تا دفن
اونچا نہیں ہونے دیا نیزہ کبھی سَر سے

صدیوں سے لہو میں تھے وہ نقش اور بالآخر
قرطاس پہ آئے ہنرِ آئنہ گر سے

جُوں سبزۂ بیگانہ رہی زیست ہماری
تا عمر کسی پائے صبا موج کو ترسے

تازیست ہُنر سیکھتے ہیں لوگ جو اختر
اتنا تو سنبھالے ہوئے نکلا تھا میں گھر سے

رشکِ خورشید تھی وہ لو کہ سیہ تل میں تھی
ابد آباد تک اک لہر سی جھلمل میں تھی

سفرِ خاک میں کیا کیا نہیں دیکھا میں نے
وہ نہ دیکھا کہ مہک جس کی گُل وگِل میں تھی

موج میں بہتے ہوئے بحر کو معلوم نہیں
یہی شوریدہ مزاجی کبھی ساحل میں تھی

کھوگئی شامِ شفق رو کے دھندلکے میں کہیں
اک غزل جو ابھی زندان کی منزل میں تھی

گھر جلانے کو جو آئے وہ نہیں جانتے تھے
ایک تصویر مرے گھر میں تھی، اک دِل میں تھی

زندگی کی کوئی تفسیر نہیں ہے اختر
کبھی پتھر میں، کبھی برف کی اک سل میں تھی

دربدری کا دَور ہے، حرفِ سخن سرا میں رہ
معنیٰ و مدّعا میں جی، رقص و رَمِ صبا میں رہ

شیشۂ تاکِ تازہ میں موجِ مئے ہنر کہاں
کہنہ خمار میں اتر، نشّۂ پیش پا میں رہ

روشنی اور تیرگی دَور بہ دَور ساتھ ہیں
وقتِ نبود و بود ہے، لمحۂ سرمہ سا میں رہ

نام و نمود کی ہوس خوب سہی پہ تا بہ کے
خود میں کوئی صدا لگا، کوچۂ اکتفا میں رہ

پیرہنِ بقا سخن، طعنہ زنِ فنا سخن
تا نہ ورق بنے کفن، نکہتِ گُل! قبا میں رہ

اوّل و آخر ایک ہیں، مست الست ایک سے
خواہشِ انتہا جھٹک، لذّتِ ابتدا میں رہ

وہ جو کہیں رہٹ پہ تھی جی کی مہیب سائیں سائیں
اے دِل اسی فضا میں رو، اے دِل اسی ہوا میں رہ

کنجِ وفا شعار میں خوئے ہوس کہیں نہیں
شاخِ جنوں پہ پھول پھل، میرے دل و دُعا میں رہ

وہ رُت، وہ ہوا کے سبز جھولے
جیسے کوئی دِل کے تار چھولے

جیسے کوئی شام دشت کی ہو
جیسے کہ سخن کریں بگولے

جیسے کہیں ہو کوئی دھندلکا
جیسے کوئی خاص شعر بھولے

تو ساتھ ہے ماہِ نیم شب میں
اِک موج ہے اور دو ہیولے

ہم پر بھی طلوع ہو شفق فام
ہم پر بھی وہ لالہ زار پھولے

یہ مایۂ شبنمیں میں رکھوں
اِس بیل کے پہلے پھول تو لے

بنجر ہے تو آ، نم و نمو لے
اے تاکِ گلو! نیا لہو لے

آئی ہے بھری ہوئی گلابی
اے بادِ شمیم لے، سبو لے

میرؔ آئے ہیں اخترؔ شکستہ
اُٹھ اور ادب سے پاؤں چھو لے

تراش محو ہوئی، خدّوخال سے بھی گئے
کچھ آئنے کہ تری دیکھ بھال سے بھی گئے

گھنے گھنے نگہِ نیلگوں تھی مرہم گیر
وہ بجھ گئی تو فقیر اندمال سے بھی گئے

یہ کارِ گفتنِ احوال کوئی سہل ہے کیا
وہ چپ لگی ہے کہ تابِ سوال سے بھی گئے

کہاں نشاط کی وہ ساعتیں، وہ درد کی لَو
کہاں یہ حال کہ تیرے ملال سے بھی گئے

ہُوا نہ ضبط بھی اور وہ بھی ہو گیا ناراض
غزل بھی ہو نہ سکی اور غزال سے بھی گئے

اٹھیں وہ پرسش و خواہش کی کوکبی رسمیں
سو تیرے دوختہ دل بول چال سے بھی گئے

توازنِ نگہِ یار ہی سے تھا معیار
گرے تو مرتبۂ اعتدال سے بھی گئے

اٹھی تو کر گئی یک بار وہ نظر ہموار
ہم اس کی سمت اگر پائمال سے بھی گئے

رنج بطرزِ شبنمیں راس نہیں، نہ تھا مجھے
گریۂ گاہ گاہ کیا، کھل کے کبھی رلا مجھے

چھوڑ بھی اے بنی ٹھنی! تا بہ کجا یہ جانکنی
میں ہوں نِرا شکستنی، توڑ کے مت بنا مجھے

اب تو نہیں غزل سرا، اب تو نہیں میں خوش غنا
اب تو لہو میں رم نہ کر، اب تو نہ یاد آ مجھے

قرن ہوئے کہ دوسری چاپ کی باس تک نہیں
راہ میں رکھ دیا گیا صورتِ نقشِ پا مجھے

*بحر بہ بحر، یم بہ یم، تا بہ فنا دَہن کشا
تاک میں تھا نہنگ لا اور نگل گیا مجھے

جیسے خیال و خواب تھی دہر کی آمدن شدن
جیسے کوئی جھنجھوڑ کر پھر سے سلا گیا مجھے

چار طرف بکھر گئی سنگ کلام خامشی
بزمِ سخن شعار میں لے تو گئی ہوا مجھے

*مستفاد از قرۃ العین طاہرہ

نمائشِ حرم و جشنِ دیر دیکھتے ہیں
عجب معاملے دورانِ سیر دیکھتے ہیں

نجانے کون سمے ہے وصال کا اے دوست!
ہم ان دنوں تجھے دیکھے بغیر دیکھتے ہیں

دکھا رہا ہے ہمیں دل نئے نئے صحرا
سرابِ دید کی منزل ہے، خیر دیکھتے ہیں

گلہ بجا ہے مگر ایسی اجنبیّت کیا
سو یوں نہ دیکھ ہمیں جیسے غیر دیکھتے ہیں

فضائے دشت ہے اور عکسِ ناقۂ لیلیٰ
دلِ فقیر! کوئی دیر ٹھیر، دیکھتے ہیں

کنایہ کار کوئی چشمِ نیلگوں ہے کہ یوں
ہمیں شعور کہاں تھا حیات یوں ہے کہ یوں

جو گردباد تھے، اب ہیں وہ خاک افتادہ
ہوائے دشت صدا زن ہے 'یوں سکوں ہے کہ یوں!'

خرد شعار زمانے کا طرز اپنی جگہ
ہمیں کچھ اور غرض ہے، ہمیں جنوں ہے کہ یوں

لہو میں یوں تو لہکتی نہیں ہے کیا کیا لہر
مگر جو ایک تقاضائے اندروں ہے، کہ یوں!

عطائے عِلم کا یہ قرض کس طرح چکتا
سرِ ادب ہے خمیدہ، قلم نگوں ہے کہ یوں

کہا کہ کیسے بیاں ہوں چراغ و خیمہ و خواب
دریدہ سینۂ گل، دیدہ پُر ز خوں ہے کہ یوں

جہت جہت کئی معنیٰ کھلے تو باغ ہنسا
نگارِ گل نے کہا 'یہ عجب فسوں ہے کہ یوں!'

اگر قرینۂ تابندگی نہیں اختر
تو پھر جواز ہے کیا اور ضد ہی کیوں ہے کہ یوں!

ہم بادلوں کی اوٹ میں، یخ بستہ، تہ بہ تہ
جیسے رگوں میں برف ہو پیوستہ، تہ بہ تہ

چلنے پہ بھی تمام نہ ہو پایا تا حیات
قصداً بجھا دیا گیا یہ رستہ تہ بہ تہ

وہ ہاتھ میرے ہاتھوں میں ایسے پھنسے رہے
جیسے بندھا ہوا کوئی گلدستہ تہ بہ تہ

وہ یاد پیچ پیچ ہے خوں میں رچی ہوئی
دل ہے اُس اک خیال سے وابستہ تہ بہ تہ

بے تہ کوئی کلام کیا ہے نہ ہو سکا
میرا اک ایک حرف ہے برجستہ، تہ بہ تہ

اِس وہم کی کچھ اساس اے دل!
کاہے کو یہ التباس اے دل؟

اے میرے گئی رُتوں کے ساتھی
اے یاد سے اقتباس! اے دل!

سب خواب و خیال رفتنی تھے
اب کچھ بھی نہیں ہے پاس، اے دل!

جب کوئی نہیں تھا مونسِ غم
کرتے تھے تجھے قیاس، اے دل!

ہونے کا عجب معاملہ تھا
جب تھا کوئی آس پاس، اے دل!

اب کوچۂ بے دلی ہے اور ہم
کچھ شوق نہ کوئی آس، اے دل!

اِس قریۂ بے ہنر میں مت رہ
یہ لوگ ہیں ناسپاس، اے دل!

اب تک ہے اک آنچ سی لہو میں
اُتری تھی یہیں وہ باس، اے دل!

یہ دشت نہیں ہے دشت اپنا
ہر اور ہے اک ہراس، اے دل!

وہ نے ہے نہ وہ حسین تانیں
بیلے ہیں بہت اداس، اے دل!

قحبہ ہے بقولِ میرؔ دنیا
آتی ہے کہاں یہ راس اے دل!

کب تک یہ گلیم چاک اے دوست
کب تک یونہی بے لباس، اے دل!

جنوں شعار ہوں اُفتادگی تو ہے مجھ میں
شروعِ عمر سے شہزادگی تو ہے مجھ میں

اسیر ہو کے بھی وابستۂ تلوّن ہوں
ہنر کہ عیب ہے آزادگی تو ہے مجھ میں

تمھیں خوش آئے نہ آئے مرا نبھاؤ سبھاؤ
کسی سبب سہی سجّادگی تو ہے مجھ میں

چمن میں سرو کی صورت لہکتا پھرتا ہوں
مگر بہ ایں ہمہ اِستادگی تو ہے مجھ میں

گیا ہوں اور چلوں گا میں اپنے مقتل تک
اسی کو کہتے ہیں آمادگی، تو ہے مجھ میں

جو یاد ہو تو مرے عشق میں وقار بھی تھا
وہ رنگ جو تھا سو تھا، سادگی تو ہے مجھ میں

خنداں ہے ابھی باغ میں احساس ہمارا
ماتم نہ کرے شاخِ املتاس ہمارا

نہیں ہے کوئی بھی آزار اور اگر ہے بھی
ابھی تو سر بھی ہے دیوار اور اگر ہے بھی

ہمیں تو جانا ہے اپنی شہادتیں لے کر
بلا سے تھا کوئی دربار اور اگر ہے بھی

لیے پھروں نہ سبک سیریِ تمنا کو
جنوں میں توڑ دوں آئینۂ تماشا کو

معاملہ مری آوارگی سے کون کرے
یہ شہر کیسے رکھے گرد بادِ صحرا کو

غبارِ راہ کو طاقت نہیں کہ اُٹھ بیٹھے
بس آتے جاتے ہوئے دیکھتا ہوں فردا کو

متاعِ جاں کا عوض ہے حباب کی ہستی
سنبھالتا ہے صدف آپ موجِ دریا کو

پھٹے پہ دامن یوسف ابھی سلامت ہے
ہنر کا پاس نہیں حضرتِ زلیخا کو

کوئی دیوار ہماری تھی نہ چھت اپنی تھی
اپنے سائے میں جیسے ہم یہ سکت اپنی تھی

تہ بہ تہ ہم نے قرینوں سے کیے تیرِ سخن
مستعاری نہ تھے، ایک ایک جہت اپنی تھی

اپنی آہستہ رَوی ہے کوئی واماندگی نئیں
لہر اپنی تھی، بَن اپنا تھا، چلت اپنی تھی

اب جو دیکھیں تو گلہ تک نہیں بنتا کہ دِلا!
فیصلے سارے ترے تھے، تجھے مت اپنی تھی

ہم نے جی بھر کے چُرایا ہے خیالات کا متن
صرف اتنا ہے کہ ہر بار بنت اپنی تھی

ہم نے ایک ایک کو پامال کیا جی بھر کے
اس کے احساس میں جو جو بھی صفت اپنی تھی

جو زخم بھر کے چھلا، کب سِلا، دِلا! چپ رہ
بس ایک غنچہ تھا بکھرا، کھلا، دِلا! چپ رہ

یہ تُو جو رات کے بَن میں صدا لگاتا ہے
تجھے قرار نہ آئے دِلا، دِلا! چپ رہ

وہ خد و خال زمانے نے محو کر ڈالے
نہ ان کی یاد میں یوں تلملا، دِلا! چپ رہ

یہ ایک داغِ سویدا بہت ہے جینے کو
یہ اس نگاہ نے کی ہے جِلا، دِلا! چپ رہ

کبھی کہا ہے کہ جشنِ جہاں میں جی اور جھیل
کبھی کہا ہے کہ جا جھلملا، دِلا! چپ رہ

نظر اٹھاؤں تو لگتا ہے آئنہ چھلتا
میں خود سے مل نہیں سکتا، کسی سے کیا ملتا

امیر مجھ سا بھلا ہے کوئی زمانے میں
یہ اس کے قرب کی لذت، یہ رُخ کی جھلملتا

ابھی یہ گھاؤ ہے اور پھر بھی اِس قدر ضوریز
مہِ دو ہفتہ نہ ہوتا اگر کہیں سلتا

محبّتوں ہی سے فرصت نہیں کہ نفرت ہو
میں کیا کروں کہ مجھے وقت ہی نہیں ملتا

وہ جس کی باس مرے ذہن میں چھلکتی ہے
کسی بہار مرے صحن میں اگر کھلتا!

زمیں کے دِل میں مہ و نجم ٹانکتا ہوا میں
کسی جمال کو فردا میں آنکتا ہوا میں

وہ خواب گاہ جہاں سو رہا ہے حُسنِ عجیب
کھلے دریچے سے چھپ چھپ کے جھانکتا ہوا میں

خمارِ خواب میں پھول ایسا جھومتا ہوا تو
حصارِ شب میں کہیں خاک پھانکتا ہوا میں

تمام خلق ہے اِک سمت اور ایک طرف
یونہی فضول دلائل کو ہانکتا ہوا میں

وہ خیرگی کہ دکھائی نہ دے کہیں کچھ بھی
ہتھیلیوں سے بس آنکھوں کو ڈھانکتا ہوا میں

اک رنج بہ پیرایۂ زر کیوں نہیں جاتا
کشکولِ ہوس ہے تو یہ بھر کیوں نہیں جاتا

وہ آئنہ رُو ہے تو مرا رُوپ دکھائے
میں اس کے مقابل ہوں، سنور کیوں نہیں جاتا!

دریا کا تلاطُم تو بہت دِن کی کتھا ہے
لیکن مرے اندر کا بھنور کیوں نہیں جاتا!

کہتے ہو کہ ہو اُسوۂ شبیرؑ پہ قائم
دربار میں کیوں جاتے ہو، سَر کیوں نہیں جاتا؟

جب روح سے کہتے ہو کہ لبّیک حسینا!
پھر جی سے یزیدوں کا یہ ڈر کیوں نہیں جاتا؟

تم صاحبِ معنیٰ ہو تو تمثال پہ مت جاؤ
الزام کبھی آئنے پر کیوں نہیں جاتا!

لو، شام گئی، رات ہے، کابوس ہے، میں ہوں
میں صبح کا بھولا ہوں تو گھر کیوں نہیں جاتا

ہر سنگِ دُعا مجھ کو لگا پھُول سے بڑھ کر
جب اتنی دُعائیں ہیں تو مر کیوں نہیں جاتا

اخترؔ تری گفتارِ فسوں کار میں کیا ہے!
جو بھی اِدھر آتا ہے، ادھر کیوں نہیں جاتا!

خیرات ، بجز حُسنِ مودّت نہیں مانگی
اللہ کے مزدور ہیں، اُجرت نہیں مانگی

اک بار سرِ دشت اُٹھا ہاتھ ہمارا
پھر ہم سے کسی شخص نے بیعت نہیں مانگی

بس اُس کی اطاعت میں رہے آخری دَم تک
ہم نے کبھی اقرار کی مہلت نہیں مانگی

اللہ نے بخشا ہے ہمیں آیۂ تطہیر
دُنیا کے ذلیلوں سے یہ عزت نہیں مانگی

سچ کے لیے خوں دینا ہے دستور ہمارا
ہم نے کبھی دربار سے قیمت نہیں مانگی

یک طرفہ نبھائے گئے پیمانِ وفا کو
بھولے سے بھی بدلے میں محبت نہیں مانگی

اخترؔ ہے ہمیں اذنِ سخن ختمِ رسلؐ سے
غیروں سے کبھی ہم نے اجازت نہیں مانگی

گہر بکھیریں سرِ خاک اور سو جائیں
صدا لگاتے لگاتے خموش ہو جائیں

یہ سیلِ خوں کی لہکتی لکیر، یاد کی لہر
سفینۂ غمِ جاں، کیا تجھے ڈبو جائیں!

بہت سنبھال کے رکھ اے نگارِ زیست! ہمیں
عجب نہیں کہ ترے کھیلنے میں کھو جائیں

یہ موجِ خوں، یہ سرشکِ ہنر، سرِ قرطاس
اگر نمود کریں اور ایک ہو جائیں!

سیہ دِلی کا یہ سنگین سلسلہ ہی سہی
جو سلک دار ہیں اپنے گہر پرو جائیں

وہ سرخ شال، وہ کَمبل کی رات، دامنِ کوہ
پھر ایک بار ہمیں روح تک بھگو جائیں

اک مرقع یوں سرِ بستر کھلا
غنچہ غنچہ گلستاں مجھ پر کھلا

چھپ کے بیٹھا روح میں خالِ خفی
کُنجِ لب میں نقطۂ عنبر کھلا

شام آئی اور سائے چپ ہوئے
رات آئی، چاند کا خنجر کھلا

جدائیوں کا اگر جی سے ڈر چلا جاتا
میں اُس کے ساتھ یونہی عمر بھر چلا جاتا

شکن شکن جو مری روح میں بچھا ہے یہ درد
خدا نکردہ اِدھر سے اُدھر چلا جاتا

یہ زرد زرد ہیولے، یہ مسخ مسخ نقوش
کہاں سنورتے جو آئینہ گر چلا جاتا

ملا جو ہوتا وہ گلگشت خواب کے دوران
روش روش زرِ گل کا ہنر چلا جاتا

سفال میں تو کسی خال کی چمک ہی نہ تھی
کہاں تک اور بھلا کوزہ گر چلا جاتا

میں ایک حُسن کی دہشت سے بت بنا ہوا ہوں
قدم تو پھر بھی نہ اُٹھتے، اگر چلا جاتا

ڈھب ہے، کہنے سے یہ سب تھوڑی ہوتا ہے
بیٹھے رہنے سے یہ سب تھوڑی ہوتا ہے

یوں ہو تو ہر کسی انت سہاگن ٹھہرے
گجرے، گہنے سے یہ سب تھوڑی ہوتا ہے

کچھ کچھ بات کرو، جی بہلے، سکتہ ٹوٹے
چپ چپ سہنے سے یہ سب تھوڑی ہوتا ہے

جینا ہے تو جی کی جوالا جل میں پھینکو
بھیتر بہنے سے یہ سب تھوڑی ہوتا ہے

گُن کہنا، اور کر کے دکھانا ہے فنکاری
سب کے کہنے سے یہ سب تھوڑی ہوتا ہے

گرتے گرتے کچھ احساس دلاؤ اخترؔ
من میں ڈھہنے سے یہ سب تھوڑی ہوتا ہے

خلش نہ ہو تو مہ و سال تک نہیں ملتی
ہوائے قریۂ پامال تک، نہیں ملتی

اُڑو کہ آئنۂ نیلمیں بلاتا ہے
وہ دھوپ کنج پر و بال تک نہیں ملتی

نکل چلو کہ یہ دنیا جمال دوست نہیں
یہاں تو دادِ خدوخال تک نہیں ملتی

کہاں وہ دَور کہ ہم سے ہزارہا تھے یہاں
کہاں یہ وقت کہ تمثال تک نہیں ملتی

خوشا وہ لفظ کہ مرہم تھے اور اب یوں ہے
وہ رسمِ پرسشِ احوال تک نہیں ملتی

یہ استخوان، یہ صحرا، یہ کرگسوں کے غول
ذرا سنبھل کے، یہاں کھال تک نہیں ملتی

ہنر معاملۂ قیل و قال سے ہے ورا
کبھی کبھی خبرِ حال تک نہیں ملتی

وہ رفتگاں کی روش، وہ خلش، وہ فن کی کشش
جدید عہد میں پاتال تک نہیں ملتی

کب ہمیں تڑپنا ہے، کب نہیں ملیں گے ہم
طے ہوا کہ لوگوں میں اب نہیں ملیں گے ہم

شامِ گریہ و ماتم ہجر تک معطّل ہے
جشن جب بپا ہو گا جب نہیں ملیں گے ہم

آخری سلامی کو دل زدہ عزیزو! آؤ
پل دو پل دکھاتے ہیں چھب، نہیں ملیں گے ہم

رُوم تا بہ طالبؔ ہیں، میرؔ تا بہ غالبؔ ہیں
دیکھ لو کہ پھر یکجا سب نہیں ملیں گے ہم

کون پھر دکھائے گا زرنگاریاں ایسی
سیکھ لیجیے ہم سے ڈھب، نہیں ملیں گے ہم

پکارا آبرو نے، اور تنہا کر دیا ہے
مجھے اپنے لہو نے اور تنہا کر دیا ہے

بھلے اک عمر میں نے بات کی تنہائی کاٹی
مگر اب گفتگو نے اور تنہا کر دیا ہے

میں پہلے بھی کب ایسا انجمن آراستہ تھا
خیالِ یار تو نے اور تنہا کر دیا ہے

اب اپنے خال و خد پہچان میں آتے نہیں ہیں
کسی آئینہ رُو نے اور تنہا کر دیا ہے

فراق اور وصل کی باس اب کہاں اختر کہ اُس نے
کیے ہیں خواب سُونے، اور تنہا کر دیا ہے

هم اپنا ایک سفر اختتام کر چکے ہیں
سلگتی ریت پہ کب کے خیام کر چکے ہیں

ہماری آیتیں بولیں گی اب سرِ دربار
خموش رہیے کہ آپ اہتمام کر چکے ہیں

دریدہ سینہ، بریدہ گلو، طپیدہ بدن
یہ لگ رہا ہے کہ آپ اپنا کام کر چکے ہیں

نگاہ کرنے سے پہلے یہ سوچیے گا کہ آپ
گئی رُتوں میں ہمیں لالہ فام کر چکے ہیں

چراغِ برسرِ دیوار داستاں گو ہے
جو کہہ رہا ہے کہ آپ انہدام کر چکے ہیں

یہ نیل نیل بدن، یہ تھکی تھکی آنکھیں
گواہیاں ہیں کہ ہم سیرِ شام کر چکے ہیں

بس اب پلٹ بھی چلو اِس گلی سے خانہ بدر
ہوائیں چپ ہیں، پرندے کلام کر چکے ہیں

یونہی یہ شاعری ہم کو نہیں ہوئی اعجاز
تمام قرضِ ہنر دل کو تھام کر، چکے ہیں

عجب خسارہ ہے اختر قلمروِ دل کا
وہ جانتا ہی نہیں جس کے نام کر چکے ہیں

آنکھ میں ہجر کی جھلمل کو دباتے رہیے
رنج سینے میں رہے، سل کو دباتے رہیے

جیسے اعصاب کھنکتی ہوئی زنجیریں ہیں
کب تک اس شورِ سلاسل کو دباتے رہیے؟

راہ دشوار سہی، کوچۂ دلدار سہی
ضبطِ اظہار کی مشکل کو دباتے رہیے

کنجِ لب میں جو شرارت سے چھپا بیٹھا ہے
آپ دانتوں میں اس اک تل کو دباتے رہیے

کوئی پوچھے کہ ہوا کیا تو جواباً اخترؔ
آہ بھرتے ہوئے بس دل کو دباتے رہیے

ایک دھن، ایک دِیا، ایک سنہرا پن ہے
یہی ڈھب ہے، یہی لو ہے، یہی گہرا پن ہے

اک نہ اک طور اتر آتا ہے لفظوں میں کہیں
یہ جو اُتھلی سی طبیعت کا اِکہرا پن ہے

دل جو کہتا ہے وہ سنتی نہیں آنکھیں تیری
جانے یہ کون کتھا، کون سا بہرا پن ہے

کیا رہائی کہ یہ جی ہی ترا زنجیری تھا
تیرے کاکُل میں عجب کوئی کٹہرا پن ہے

سُست رَو ہوں کہ تری نیم نگاہی کے سبب
مجھ میں بالکل بھی تموّج نہیں، ٹھہرا پن ہے

رات کا آخری پہر، زہر بھری ہوئی ہوا
لمسِ لباسِ یار سے اور ہری ہوئی ہوا

صحنِ فنا میں آہٹیں، جیسے سکوت قبر کا
جی کی یہ سنسناہٹیں، جیسے ڈری ہوئی ہوا

محبسِ زندگی تھا یا کوئی عذابِ جاں کنی
چیخ رہی تھی سائیں سائیں، جوں ہی بری ہوئی ہوا

کون بتائے گا بھلا سانس کی پوٹ کیا ہوئی
جانے کہاں پہ رہ گئی لَو میں دھری ہوئی ہوا

کوچۂ عشق میں مگر نام کو روشنی نہ تھی
ایک فقیر جاں بہ لب اور مَری ہوئی ہوا

تعبیر لیے خواب یقینی سے اٹھا ہے
اک عالمِ نو کنج گزینی سے اٹھا ہے

یہ رنگ نہیں مانی و بہزاد کا ممنون
یہ نقشِ دگر ذوقِ زمینی سے اٹھا ہے

کیوں روح پہ شکنیں نہ ہوں، کیوں تر نہ ہوں آنکھیں
یہ بار بھلا خندہ جبینی سے اٹھا ہے!

یہ سانولی سطریں، یہ فسوں سوز دھندلکا
باتوں کا خمیر اک نمکینی سے اٹھا ہے

دُنیائے خردکار نہ پھر ہاتھ بڑھائے
درویش ابھی گوشہ نشینی سے اٹھا ہے

جبر کی کوئی نہایت نہیں چھوڑی تم نے
ایک شے حسبِ ہدایت نہیں چھوڑی تم نے

واہ، کیا پاس تمہیں نسبتِ اجداد کا ہے
گھر جلانے کی روایت نہیں چھوڑی تم نے

سوختہ روح، بجھے خواب، شکستہ اعصاب
کیوں کہوں کوئی عنایت نہیں چھوڑی تم نے

شعر، انسان سے گفتار ہے اختر صاحب
یہ ولایت ہے، ولایت نہیں چھوڑی تم نے

تم پہ یہ حد بھی بہت جلد لگے گی اخترؔ
ظلم کُشتوں کی حمایت نہیں چھوڑی تم نے

سخن کی تاب نہیں، بس اشارہ کافی ہے
پلک پہ ٹھہرا ہوا اک ستارہ کافی ہے

تعارف اور بھلا کیا کرائیں دنیا سے
ہمیں تو شام کا اک استعارہ کافی ہے

لہکتی موج کے منکر، یہ سیپیوں کے عدو
یہ کف نژاد ہیں، ان کو کنارہ کافی ہے

ہماری شرح ہوئی آیتوں کے مقتل میں
سو اب یہی سندِ پارہ پارہ کافی ہے

جو سود خور ہیں بہتر ہے اب کنارہ کریں
یہ کارِ عشق ہے، اِس میں خسارہ کافی ہے

(خودی علی کے لیے)

وہ خدّ و خال کہاں بھولتے ہیں
گھنگھرواں بال کہاں بھولتے ہیں

تجھے بھولے کوئی ہموار دماغ
تیرے پامال کہاں بھولتے ہیں

ہے شبِ ماہِ دو ہفتہ، اے دل
ہمیں وہ گال کہاں بھولتے ہیں

یوں تو گزری بھی ہے کچھ تیرے بغیر
یہ مہ و سال کہاں بھولتے ہیں

ہو وہ اخترؔ کہ علی بابا تاج
تجھ کو بے حال کہاں بھولتے ہیں

بہانہ ساز سہی دل ہے، کیا کیا جائے
عجیب وضع کی مشکل ہے کیا کیا جائے

غبارِ قیس ابھی تک ہے دشت میں گرداں
فریب خوردۂ محمل ہے، کیا کیا جائے

خرد شعار زمانے کی موج ہے اور میں
مرا جنوں مرا حاصل ہے کیا کیا جائے

وصالِ دوست کا امکان تک نہیں سرِ دشت
فراقِ دوست کی منزل ہے، کیا کیا جائے

ادھر وہ ماہِ دو ہفتہ ہے اور اختر ہے
اِدھر یہ گال ہے، یہ تل ہے، کیا کیا جائے

ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ غم کچھ نہیں کہتے
یوں ہے کہ ترے سامنے ہم کچھ نہیں کہتے

واپس چلے آتے ہیں یونہی دامنِ دل تک
کچھ اشک سرِ دیدۂ نم کچھ نہیں کہتے

میں شام سے تا صبح جو پھرتا ہوں بھنور سا
اِس باب میں اربابِ کرم کچھ نہیں کہتے

اپنے لیے اک درجہ بنا رکھا ہے ہم نے
معیار ہے، معیار سے کم کچھ نہیں کہتے

ہونا بھی نہ ہونا ہے تو کس بات کا رونا
اخترؔ مجھے موجود و عدم کچھ نہیں کہتے

آپ اچھّے ہیں بہت، آپ کے غم اچھّے ہیں
اور اِس بات کا مطلب ہے کہ ہم اچھّے ہیں

آپ سے، آپ کے سورج سے ہمیں کیا لینا
ہم اسی چھاؤں میں بادیدۂ نم اچھّے ہیں

منہ بسورے ہوئے بچّوں کی طرح پڑ رہنا
پُرسشِ حال پہ کہہ دینا کہ ہم اچھّے ہیں

ہائے یہ سبزۂ روئیدہ پہ بنتے ہوئے پھول
نقش اچھّے ہیں کہ وہ نقشِ قدم اچھّے ہیں

یک دو ساعت ہے یہ زحمت، سوگوارا کرلیں
آن کی آن ہے دُکھ، پھر کوئی دَم اچھّے ہیں

خاک زادے، نظرِ حسن میں جلنے والے
رہ گئے جانے کہاں دوست قرینے والے

شہر خالی ہے کسے عید مبارک کہیے
چل دیے چھوڑ کے مکہ بھی مدینے والے

ہم نے کیا کیا نہ کیا اہلِ ہنر ہونے تک
خون ہوتا ہے جگر آئنہ گر ہونے

ایک پروانہ کہ تھا محوِ طوافِ شبِ ہجر
پہلوئے شمع میں تھا وہ بھی سحر ہونے تک

یاد رکھیو کہ محبت میں نہیں صرف جنوں
یونہی دیوانے پھرو دشت میں گھر ہونے تک

اک بجوکا ہے سرِ کشتِ تمنا تا چند
خود بکھر جائے گا اس فصل کے سر ہونے تک

پھر تو یہ ہستیِ موہوم نہیں ہے گویا
زندگی کا یہ تماشا ہے اگر ہونے تک

نیلگوں چرخ ہے پھر اپنا مقدر اخترؔ
قیدِ بے قید کا آزار ہے پر ہونے تک

استخواں سوختہ و خستہ دم ایسے تو نہ تھے
اے عزا خانۂ احساس! ہم ایسے تو نہ تھے

موجِ خوں بھی تھی، سرشک ہنر آثار بھی تھا
سرِ قرطاس یہ پہلے بہم ایسے تو نہ تھے

بت پرستوں کے لیے باہیں کھلی رہتی تھیں
اُن زمانوں میں یہ دَیر و حرم ایسے تو نہ تھے

کچھ نہ کچھ بات بھی لوگوں کے لیے ہوتی تھی
جاہلی دور کے اہل قلم ایسے تو نہ تھے

تانوں پلٹوں میں گئی ہاتھ سے لَے بھی اخترؔ
بھاؤ، جھپ تال، دُرت، چال، سم، ایسے تو نہ تھے

نذرِ میر

دل سے امید، آنکھ سے ہر خواب لے گیا
یہ ہجر اب کی بار تو اعصاب لے گیا

رات آئی اور پِل پڑا یادوں کا اک ہجوم
شام آئی اور مجمعِ احباب لے گیا

کم کم ہیں اب جہاں میں تراشیدہ صورتیں
اک آئنہ تمام تب و تاب لے گیا

اپنی کہاں مجال تھی اس کی گلی میں جائیں
ماہِ دو ہفتہ تھا، دلِ بے تاب لے گیا

پہلے تو قریہ قریہ ہوا کھینچتی پھری
جوں خس پھر ایک موجۂ سیلاب لے گیا

مدّت سے تاک میں تھا کہیں اژدرِ فنا
پھر ایک روز منہ میں مجھے داب لے گیا

جب یہ مزاج ہے تو پھر دہر سے رسم و راہ کیا
شکوۂ شیخ و شاہ کیا، گریۂ گاہ گاہ کیا

بود و نبود کی کتھا، قصۂ ہشت لفظ ہے
رات میں التباس کیا، خواب کا اشتباہ کیا

آتی ہوئی بہار میں غرفۂ روح کھولیے
ماتمِ برگِ زرد کیا، رنجِ گل و گیاہ کیا

کارِ کمالِ عشق میں صرفۂ چشم و دل نہیں
لٹ بھی چکی متاعِ جاں، اور کریں تباہ کیا

ہم تو سرِ مشاعرہ خود سے ہی ہم کلام تھے
آپ کی بزمِ شعر کیا، آپ کی واہ واہ کیا

میرِ مشاعرہ کوئی ہے تو بلا سے ہو یہاں
ایک فقیر کے لیے دادِ جہاں پناہ کیا

دھیان سے اے رفو گرو! ہجر کا زخم بھر نہ جائے
جی کا جو حال ہو سو ہو، بات اِدھر اُدھر نہ جائے

خانہ بدر عزیزِ دل، شام کا رہروِ خجل
یوں ہی پھرے اُٹھائے سِل، رات ڈھلے بھی گھر نہ جائے

مت یہ اسے بتا صبا! سینۂ گل میں داغ ہے
اور وہ کوئی چراغ ہے، وہ یہ سنے تو مر نہ جائے

لفظ میں ہے، لہو میں ہے، بخیہ صفت رفو میں ہے
وہ جو نم و نمو میں ہے جائے کہیں، مگر نہ جائے

دل تھا مچل گیا تو کیا، آنچ میں جل گیا تو کیا
ہاتھ پگھل گیا تو کیا، آئنہ گر! ہنر نہ جائے

اس کو تراشا مگر یوں کہ وہ تا ابد رہے
دور نگاہِ بد رہے، اس کی طرف نظر نہ جائے

مہلتِ یک نفس جو ہے، دار پہ جاؤ پے بہ پے
پھر یہ سمے گزر نہ جائے، پھر یہ نشہ اتر نہ جائے

راس آئے نہ آئے تجھے یہ موج، یہ ہلچل
اے طائرِ دل! باغِ زمانہ سے نکل چل

ہر ناکس و کس درپئے ایمان و انا ہے
یہ سوقِ دل آزار ہے، احساس کے بل چل

میں نے کہا جی سے کہ یہ دنیا ہے سو ہشیار
محتاط گزر، سر نہ اٹھا، آپ میں ڈھل چل

بولا کہ یہ دنیا ہے، سو ہے، اس سے تجھے کیا
تو کیا کوئی ناصح ہے، اگر ہے بھی تو چل، چل

یہ باز روی، پیش روی سے تو بھلی ہے
کچھ گرد چھٹے گی، سو ابد تا بہ ازل چل

کیا ہوئے حرمتِ فن! تجھ پہ وہ مرنے والے
لفظ کو ڈھال کے اک آئنہ کرنے والے

یوں تو ہر غم کا مداوا ہے گزرتا ہوا وقت
تو نے جو زخم دیے وہ نہیں بھرنے والے

جمع ہیں بزمِ شبینہ میں ترے پرسہ گزار
لفظ روتے ہیں تجھے، بات نہ کرنے والے

طعن و تشنیع کا ہنگام ہے، کس کس کی سنوں
رہ گئے جانے کہاں قہقہے، جھرنے والے

ایک ہی بار پکاریں تو چلا بھی جاؤں
مجھے قسطوں میں بلاتے ہیں یہ مرنے والے

رات ہے اور بہر سمت ہے کابوس کا ڈر
اتنا چپ چاپ نہ جا، رہ سے گزرنے والے

منقبت

خاتم الانبیاؐ کے گھرانے میں ہیں بنتِ خیر الوریٰؐ کے مقامات سب سے الگ
اُمِ شبیرؑ و شبرؑ ہیں وہ ، بانوئے شاہِ مشکل کشاؑ کے مقامات سب سے الگ

آپ کا ذکر آئے تو لب کو درود اور آنکھوں کو واجب ہے اشکِ عزا کی جھڑی
راضیہؑ ، مرضیہؑ، طاہرہؑ ، فاطمہؑ ، آپ کی انتہا کے مقامات سب سے الگ

آپ کے در پہ جبریلؑ خیّاط بھی بن کر آئیں تو لازم ہے پہلے کہ وہ اِذن لیں
آپ وجہِ دُعائے دُعا ہیں سو ہیں آپ کی ہر دُعا کے مقامات سب سے الگ

"بُضعۃٌ مِنّی" فرما کے سرکار نے سیدہ! آپ کا منصبِ خاص طے کر دیا
وہ جو زیرِ کسا آئے اُن میں عروسِ شہِ ھَل اتٰی کے مقامات سب سے الگ

خاتم المرسلینؐ اور اُن کے گھرانے پہ اخترؔ ہو دائم درود اور دائم سلام
مصطفیٰؐ ، مرتضیٰؑ ، مجتبیٰؑ ، فاطمہؑ اور شہِ کربلاؑ کے مقامات سب سے الگ

نعت

یہ اہتمام اندھیروں کے رد میں رکھا گیا
چراغِ اسمِ محمدؐ لحد میں رکھا گیا

مجال ہے کہ ہوئی ہو کہیں کمی بیشی
وہ نُورِ معجزہ صد بہ صد میں رکھا گیا

کہا گیا کہ پکارو تو کہہ کے 'اُنظُرنا'
جو بے اَدب تھے انہیں ایک حد میں رکھا گیا

وہ جس نے آدم و حوّا کو بنتے دیکھا تھا
اُسے شروع سے حُسنِ ابد میں رکھا گیا

کچھ اور سہل ہوئیں اگلی منزلیں مجھ پر
وظیفۂ رُخِ آقا سند میں رکھا گیا

مجھے سُنائی گئی یوں شفاعتوں کی نوید
منافقوں کو عذابِ حسد میں رکھا گیا

عطا ہُوا تھا وہیں سے مزاجِ رُفت گری
یہ مرتبہ تھا جو بس میری مد میں رکھا گیا

یہ امتحان بھی ہے اور وجہِ بخشش بھی
چراغ کر کے ہواؤں کی زد میں رکھا گیا

غلامِ شہؐ پہ سلام اور عدوئے شہؐ سے گریز
عجب قرینہ ہے جو نیک و بد میں رکھا گیا

سوائے نعت زبان و قلم پہ کچھ بھی نہ ہو
مرے جنوں کو بھی فصلِ خرد میں رکھا گیا

ہوئی ہے ثبت غلامی پہ مہرِ خاتمِ پاک
یہ اہتمام صفِ مُستند میں رکھا گیا

یہ نکتہ بھی کلمے کا جواز ہے اختر
انہیں جوارِ مقامِ احد میں رکھا گیا

سلام

اشک نے چھوڑ دی پلک، نذرِ حسینؑ ہو گیا
لو مری لاج رہ گئی، لو مرا بَین ہو گیا

بیتِ نبی سے شاہ یوں بیتِ الٰہ تک گئے
روح تڑپ تڑپ اُٹھی، دل حرمین ہو گیا

میں نے کہا شہاؑ! اگر عِلم کا اِذن ہو سکے!
پھر جو وہ خشک لب ملے، عین بہ عین ہو گیا

بزمِ عزا کے کفش بر! تیری عجب نشست ہے
تو کہ زمین کے لیے زینت و زین ہو گیا

نصرتِ شاہؑ کے لیے اب تو اُٹھو حسینیو!
بزم کا بَین ہو گیا، نالہ و شَین ہو گیا

مدحِ شہِؑ شہاں کوئی مدحتِ گَے و جَم نہیں
میرا شرف کہ آن میں در قدمین ہو گیا

ایک ہی لفظ میں بہم یوں ہیں حسینؑ اور حسنؑ
نورِ مرکّبِ دو جاں خود حسنینؑ ہو گیا

حرفِ غلط بھی ایک تھا، دستِ غلط نویس بھی
تیغِ علیؑ عَلَم ہوئی، قطعِ یدین ہو گیا

میری وفا جلی بلی، شام جلی نہیں ڈھلی
المدد اے علیؑ ولی! دن مرا رَین ہو گیا

اخترِ کج ہنر ترے لفظ میں لَو کہاں کی تھی
تھوڑا بہت یہ نام تو شاہؑ کا دَین ہو گیا

AKHTAR USMAN: POET OF LIFE

For Akhtar Usman, poetry is not a pastime, a profession, or even a way of life; it is life itself for him. Anybody who has seen him even for a few minutes can have no second thoughts about attesting that he lives in poetry and, in turn, poetry lives in him.

is ihtimaam se paikar tira taraashta hoon
gumaan guzre k jaise bana banaaya hai

(With such consummate care, I carve out the visage
You might think it sprang into being, your image)

This is a couplet that could be dubbed his primary motto, which is evident in every page of this collection as well. He chisels out every line of his verse with such artistic perfection that it starts to glitter in the dark and looks as natural as a sparkling star or a glowing firefly.

Akhtar Usman is a poet who has incomparable mastery over all registers of Urdu language. This is not surprising, given that he is one of the few genuine Persian poets of Pakistan. What is surprising, however, is his command over the Indic linguistic sensibilities which set him apart from his contemporaries.

Akhtar Usman has been called a "neoclassical" poet. While most of Urdu poetry has gone through several linguistic and semantic upheavals during the past half-century – which sometimes borders on the absurd and the bizarre – he remained close to the heart of the sumptuous and infinitely rich, tradition of Urdu poetry. This is all too well on display in this new collection (Chiragh Zaar) as well.

Zafar Syed (BBC)

978-969-587-107-2

ربِ لامکاں کا صد شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اردو ادب کی کتب کو سافٹ میں تبدیل کر سکے۔ اسی صورت میں یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ مزید اس طرح کی عمدہ کتب حاصل کرنے کے لئے ہمارے گروپ میں شمولیت اختیار کریں۔

انتظامیہ برقی کتب

گروپ میں شمولیت کے لئے:

عبداللہ عتیق: 8848884 347 -92+

محمد ذوالقرنین حیدر: 3123050300-92+

اسکالر سدرہ طاہر صاحبہ: 0120123 334 -92+